قبلہ ابّا جان حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ

صاحبزادہ عمید الرحمٰن عثمانی

۱۲ مئی ۱۹۸۴ء کی دوپہر ہم سب کے لئے منحوس بن کر آئی جب ہمارے قبلہ ابّاجان حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اس دارِ فانی سے عالم بقا کو پرواز کر گئے۔ ہم سب روتے رہے ملت اسلامیہ بلکتی رہی اور موت کا فرشتہ ان سب سے بے خبر ہماری موجودگی ہی میں ہماری سب سے پیاری، سب سے قیمتی، سب سے عزیز اور سب سے محترم ہستی کو ہمارے درمیان سے ایسے اٹھا لے گیا جیسے اسی کا اس پر سب کچھ حق تھا۔ اور ہمارا اس ہستی سے کوئی واسطہ و تعلق ہی نہ تھا، موت کے فرشتہ کے آگے ہم سب بے بس اور آپس میں ایک دوسرے کا منہ ہی تاکتے رہ گئے۔ اس سے پہلے کئی واقف کاروں کی موت کے بارے میں سُنا لیکن انسان کی بے بسی اور موت کے فرشتے کی طاقت کا اندازہ قبلہ ابّا جان کی وفات کے وقت ہی ہو کر رہا، اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اس عظیم و مشفق باپ کے یہاں پیدا کیا تھا۔ جس نے ہماری ہر چاہت پر اپنی چاہت قربان کر دی، ہمارے لئے ہر وہ سامان مہیا و فراہم کیا جس سے ہمیں راحت و آرام نصیب ہو، مگر اس کے ساتھ ہمیں دین سے بھی غافل نہ ہونے

دیا۔ مذہبی احکامات کی پابندی کا سختی سے درس دیا۔ اور قدم قدم ہماری رہنمائی فرمائی۔ ان کی محبت و شفقت بے پناہ تھی۔ لیکن خدانخواستہ اگر ہم میں سے کسی نے بھی نماز روزہ میں ذرا بھی ڈھیل کی تو پھر وہ سب کے لئے غضبناک تھے۔ جو لوگوں نے ان کو اولاد سے بے پناہ پیار و محبت اور شفقت کرتے دیکھا وہ اس وقت حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ جب اولاد کے کسی بھی دینی عمل و معمول میں ذرا بھی کوتاہی ان کے علم و واقفیت میں آگئی ہو۔ اور پھر اس کے بعد ان کے دل و دماغ پر اس کا جو ردِعمل ہوتا تھا، اسے دیکھ کر کسی کے لئے یہ رائے قائم کرنا مشکل ہوتا تھا کہ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی اپنی اولاد کے لئے انتہائی مہربان، مشفق اور اولاد کو بے پناہ چاہنے والے باپ تھے۔ قومی و ملکی خدمات میں منہمک رہنے والے اکثر حضرات اہل و عیال کی نگہداشت و ضروریات کی طرف اپنی بے پناہ مشغولیتوں کی وجہ سے متوجہ نہیں رہ پاتے ہیں اور شاید ان کے دل و دماغ میں یہ بھی بیٹھا ہوا ہو کہ ملی کاموں میں انہماک میں اہل و عیال کی ضروریات کا دھیان نہ رکھنا ہی "تقویٰ" اور قابلِ تحسین اقدام ہے۔ لیکن قبلہ ابا جان فرمایا کرتے تھے: کہ جو شخص اپنے اہل و عیال کی ۔۔۔ ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام نہیں دے سکتا۔ وہ قومی خدمات انجام دینے کا قطعاً اہل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہماری والدہ محترمہ مرحومہ جو انتہائی نیک و پاکباز اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اور قبلہ ابا جان ان کا بڑا ہی ادب و احترام کرتے تھے، بچوں کی نگہداشت تعلیم و تربیت اور اخلاق و کردار سنوارنے و بنانے کے لئے کسی بھی لمحہ غفلت و لاپرواہ نہ رہتی تھیں۔ لہٰذا اس کے لئے بعض اوقات اولاد کی نادانیوں غلطیوں پر ڈانٹنے و مارنے پر آتیں تو کچھ نہ پوچھئے کہ وہ کس قدر غضبناک ہو جاتی تھیں۔ بلکہ اباجان حد سے زیادہ اولاد کو پٹتے ہوئے دیکھتے مگر والدہ صاحبہ کو کچھ کہنے کی ان میں اس وقت ہمت نہ ہوتی، حالانکہ ان کا دل بڑا ملائم تھا جب وہ کسی غیر کو

پٹتے ہوئے نہ دیکھ سکتے تھے، تو بھلا اولاد کو کیسے پٹتے دیکھتے۔ چنانچہ والدہ صاحبہ مارنے لگتی ہی تھیں تو ان کی قوت برداشت جواب دے جاتی، بڑی ہی آہستگی کے ساتھ والدہ صاحبہ سے کہتے کہ "اب بس بھی کرو، کیا بالکل ہی جان سے مار کر ختم کرو گی؟" اور جب والدہ صاحبہ کی مار کی وجہ سے ہم لوگ معمولی زخموں و دردوں سے تڑپتے تو قبلہ ابا جان اپنی بے پناہ قومی و ملکی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اور مشغلوں میں سے تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر گھر آتے، ہماری دوا دارو کرتے، جسم کی صفائی کرتے ساتھ ہی آہستہ آہستہ سمجھاتے بھی جاتے کہ بیٹا! یہ سب تمہاری ہی بھلائی و کامیابی کے لئے ہی تو ہے۔ تم غلطیاں کرتے جاؤ گے اور نہ سمجھو گے تو بڑے ہو کر تم ہی کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ قومی و ملی مصروفیات کے باوجود گھر کی، اولاد کی، بیوی کی، عزیز و اقارب کی تمام ضروریات سے ہمہ وقت واقفیت رکھتے اور پوری کرنے کے لئے کوشاں رہتے۔

۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانانِ ہند کی زبوں حالی اور ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی شدت سے از حد پریشان و مغموم رہتے، اور اس بنا پر بعض دفعہ وہ راتوں کو اٹھ کر بارگاہِ عالی میں سربسجود رہتے تھے۔ اچانک کسی ضرورت کی وجہ سے ہمارا اٹھنا ہوتا تو ہم کیا دیکھتے کہ قبلہ ابا جان سجدے میں پڑے ہوئے ہیں، زور زور کر خشوع وخضوع کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے جان و مال عزت و آبرو اور روشن مستقبل کے لیے دعائیں کر رہے ہوتے۔ جبلپور، ساگر، راوڑکیلا کے فسادات کے وقت وہ مجاہد ملت کے ہمراہ امدادی کاموں میں مصروف رہتے۔ اس وقت انہیں نہ اپنی فکر تھی اور نہ اپنے گھر کی، کئی کئی روز تک بس ناشتہ ہی کر پاتے، دوپہر کا یا رات کے کھانے کی انہیں نہ فرصت تھی اور نہ ہی خواہش، فسادزدہ علاقوں کا دورہ بھی کرتے اور وہاں سے واپسی پر ہم نے دیکھا کہ وہ ہر وقت احساسِ دل شکستگی میں رہتے، کبھی

کبھار ابّا جان مجبور ہو کر ان کی حالت بیچارگی کو دیکھ کر نہ رہ پاتیں، ان سے کہتیں کہ آخر تم اسی طرح کب تک اپنی یہ حالت بنائے رہو گے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ اچھا کرے گا، دعا کرو، اس پر قبلہ ابا جان جواب دیتے دعا تو ہے ہی ضروری لیکن کوشش اور عملی اقدامات کرنے بھی ہمارے لئے ضروری ہیں۔ ورنہ خدا کے یہاں ہم کیا منہ دکھائیں گے، انہوں نے کئی بار ہندوستان میں سیکولرزم کے مستقبل کے بارے میں اظہار تشویش کیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسینؒ جب ہندوستان کے صدر جمہوریہ منتخب ہوئے اسے سیکولرزم کی فتح سے تعبیر کیا، ان ہی الفاظوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کو مبارکباد بھی دی، مگر جب وہ صدر منتخب ہونے کے بعد جگت گورو شنکر آچاریہ سے آشیرواد لینے گئے اور انہوں نے ان کے پاؤں چھوئے تو اس پر اظہار ناراضگی کرنے سے باز نہ رہ سکے۔ ان کے بعد جب جمہوریہ ہند میں فرقہ وارانہ فسادات کی افراط ہوئی، اور روزنامہ الجمعیۃ، میں اس کے لائق مدیر مولانا محمد عثمان فارقلیط نے سخت ترین الفاظوں کے ساتھ مذمتی اداریے سپرد قلم کئے تو اسے احباب کی مجلس میں پڑھتے اور کہتے جاتے کہ فارقلیط صاحب نے صحیح لکھا ہے، کہ ہندوستانی مسلمانوں کا کسی بڑے جلیل القدر سرکاری منصب پر فائز ہونے کا مطلب ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے قتل میں اضافہ ہوا، جب کہ ڈاکٹر ذاکر حسین سے قبلہ ابا جان کے تعلقات قریبی دوستانہ بلکہ عزیزانہ تھے، وہ اکثر ہمارے گھر کی تقریبات میں شرکت کرتے تھے، میری شادی میں باوجود سخت سیکورٹی انتظامات کے خصوصی طور پر شرکت کی تھی، مگر قبلہ ابا جان حق گوئی میں مروت یا تعلقات کی وجہ سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ حق بات برملا کہتے تھے، موقع و مصلحت سے کام نہ لیتے تھے۔ اور حق بات کہنے والوں کی ستائش و تعریف میں کبھی بخل سے کام نہ لیا۔

ہم نے ان میں بے پناہ صبر و تحمل دیکھا ہے مشکل سے مشکل حالات میں بھی صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑا، والدہ مرحومہ فرمایا کرتی تھیں کہ جب ۱۹۴۷ء کے صبر آزما دور میں قرول باغ

کا ہمارا گھر بار سب برباد ہو گیا اور ادارہ ندوۃ المصنفین کا اثاثہ نذر فسادات کی نذر ہو گیا تو اس وقت ان میں بلا کا صبر و استقلال دیکھا گیا۔ کبھی حرف شکایت زبان پہ نہ آنے دی۔ حالات کی شکایت کرنے کی بجائے اس سے صبر و آزما ہونے کا ان میں بڑا جذبہ تھا، اس کے علاوہ ناموافق حالات میں اپنا محاسبہ بھی کیا کرتے۔ کسی کی برائی یا غیبت سننا انہیں قطعاً پسند نہ تھا، سخت ترین مخالفین و معاندین سے بھی جذبہ انتقام نہ رکھتے تھے۔ مسلم مجلس مشاورت کے قیام کے دنوں کچھ سادہ لوح حکمران جماعت سے مکمل طور پر قطع تعلق کی وکالت کرتے تھے اور وہ حالات ناگفتہ بہ کی وجہ سے غصہ و جذبات سے مغلوب تھے، لیکن حضرت قبلہ ابا جان انہیں بڑی متانت کے ساتھ سمجھاتے، اور دلائل و براہین کے ساتھ بالآخر انہیں اپنے خیالات سے ہم آہنگ کر لیتے۔ ان کی ان ہی باتوں سے متاثر ہو کر مشہور قومی رہنما و مفکر ڈاکٹر سید محمود مرحوم اکثر یہ کہتے تھے، کہ "ہمارے درمیان میں حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی جیسے سنجیدہ و مخلص رہنما موجود ہیں، تو ہمیں کسی قسم کی گھبراہٹ و فکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن کے انتقال کے بعد جمعیۃ العلماء ہند بعض حضرات کی نادانی و کم ظرفی کی وجہ سے ذاتی چپقلش اور بحران کی شکار تھی، قبلہ ابا جان نے حکمت و تدبر سے کام لیا۔ انہوں نے اس خطرہ کو محسوس کیا، کہ علماء کرام کی عزت و ناموس کو پامال کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں، اس موقع پر انہوں نے اپنے جائز حق و مفاد کے مجروح ہونے کی پرواہ کئے بغیر بڑی خوبصورتی و دانشمندی سے جمعیۃ العلماء کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچا لیا۔ وہ ان کے لئے سخت امتحان کی گھڑی تھی، اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ اس امتحان میں کیسے کامیاب و سرخرو ہو کر نکلے۔

قبلہ ابا جان میں عجز و انکساری اور خدمتِ خلق کا بے انتہا جذبہ تھا، تمام دن قومی و ملکی مصروفیات میں مستغرق رہنے کے بعد جب رات کو گھر پہنچتے تو ابا جان کھانے سے

لئے دسترخوان بچھاتیں، مفتی صاحب بھوک سے ہوتے، کھانا کھانے بیٹھتے کہ پہلا ہی نوالہ منہ میں رکھتے کہ دروازے میں دستک ہوتی، قبلہ ابا جان دوڑتے کہ دیکھیں کون آیا ہے، اماں جان چلاتیں کہ ارے کھانا تو کھالو، دن بھر کے بھوکے تھکے ہارے ہو، یہ آتے ہی رہیں گے، مگر ابا جان کہاں ماننے والے تھے۔ جواب دیتے کہ نہ معلوم کون شخص خدا معلوم کس اشد ضرورت سے آیا ہے، انتظار کی زحمت ہوگی جس سے اسے نقصان ہو، کسی کو اپنے گھر پہ انتظار کرانا شرفاء کا دستور نہیں ہے۔ دوسروں کے کام آنا ہی دراصل ان کا محبوب مشغلہ تھا، ہمارے گھر اور دفتر ندوۃ المصنفین والی گلی میں ایک ہی غیر مسلم پڑوسی آباد تھے۔ بڑے ہی معزز شخص تھے، انہوں نے اپنے صاحبزادے کی شادی کی جگہ طے کردی شادی کے روز خوب زور و شور کے ساتھ تیاریاں ہوئیں قبلہ ابا جان تھوڑی تھوڑی دیر بعد خود بھی اور ہم کو بھی ان کی شادی کی تیاریوں میں معاونت کے لئے جاتے اور بھیجتے رہے، شام کو دھوم دھام کی بارات کی روانگی کے عین وقت پر لڑکے نے لڑکی کے لئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کردیا، شادی کی رونق آناً فاناً سب دھول ہوگئی، خوشیاں مایوسی میں بدل گئیں، لڑکے کے ماں باپ تو جیسے بلک ہی پڑے، لڑکے کی بڑی دیر تک منت و سماجت کی اپنی پگڑی تک پیروں میں ڈال دی مگر لڑکا ضدی کسی طرح آمادہ ہی نہ ہوا۔ خاندان کی عزت و وقار سب مٹی میں ملتا دیکھا، باپ پر غشی طاری ہوگئی۔ قبلہ ابا جان کو یہ ماجرہ معلوم ہوا فوراً دوڑے دوڑے پہنچے۔ لڑکے کے والد کیپٹن صاحب کی عزت مٹی میں مل رہی تھی، انکے لئے اپنے پڑوسی چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں کی یہ درگت بنتی دیکھنا برداشت سے باہر ہوگیا، انہوں نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ بیٹا یہ کیا کررہے ہو، اس سے خاندان کی تو رسوائی ہوگی ہی، تمہارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ اور ہم پڑوسیوں کی بھی اس سے سخت بدنامی ہوگی یہ کہتے ہی اپنی ٹوپی اتار کر اس کے پاؤں میں جیسے ہی رکھنے کو تیار ہوئے، لڑکا سنبھل گیا اور ہاتھ جوڑ کر کہا

کہ جتنی بات آپ کیا کرتے ہیں وہ آپ کا حکم ہو نکم معلوم ہے، کہا، تو اس نے اپنے باپ کی بات
دھکے کو پاؤں میں پڑی رہنے تک کا خیال کیا اور قبلہ ابا جان کی ٹوپی پاؤں میں پڑنے
کی نیازی ہی سے وہ کاتب اٹھا، لڑکا خوشی خوشی گھوڑے پر بیٹھا، بارات روانہ ہوئی
لڑکے کے والد اور خاندان کے دیگر حضرات سب کے نعرے واہ! واہ! تھا، اباجی کا انہوں
نے بجا ہی شکریہ ادا کرنا چاہا، مگر انہوں نے فوراً انہیں ایسا کرنے سے روک دیا، اور کہا
کہ یہ تو ہمارا فرض تھا اور پڑوسی کے لئے ایثار تعلیمات صلعم کے عین مطابق ہے۔ حضرت قبلہ جان
میں سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی احسان نوازی کا جذبہ، مروت و اخلاق کا مظاہرہ
کرنے کا ولولہ بے پناہ تھا، اپنے چھوٹوں سے جب ملتے تو ملنے والوں میں بے پناہ خود اعتمادی
پیدا کر دیتے، شرافت نفس کے نمونہ تھے۔ ہندو مسلمان سب ہی انکی اس بات کے قائل
و گرویدہ تھے، عالموں کی عزت کرتے چاہے وہ عمر میں کتنے ہی نابالغ کیوں نہ ہوں، کتنی ہی
کمیٹیوں، دینی اداروں کے سرپرست و ممبر اور قبرستان و دلی وقف بورڈ کے چیئرمین رہے
اس سلسلے میں ان کے کام نمایاں ہیں، سفارش میں کبھی بھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ گھر یا دفتر کے
ملازمین کو کبھی ملازم نہ کہا، اور نہ ہی سمجھا۔ ہمیشہ رفیق، معاون و مددگار رکھتے تھے
ان کے دکھ سکھ، شادی بیاہ، رنج و غم میں برابر کے شریک رہتے تھے، اس سلسلے میں
لاتعداد واقعات ہیں جو انکی ہمدردی، انسانیت کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں
مگر طوالت کی وجہ سے ہم یہاں ان کا تذکرہ نہیں کرتے، لیکن ایک واقعہ بیان کرنے سے
باز نہیں رہ پا رہا ہوں۔ ایک صاحب کو دفتر میں کام کرتے ہوئے چند ہی ماہ ہوئے تھے کہ
انہوں نے بغیر کسی اطلاع کے دفتر آنا بند کر دیا۔ قبلہ ابا جان کو جب معلوم ہوا کہ وہ صاحب
نہیں آ رہے ہیں تو مجھ سے معلوم کیا کہ عبید میاں فلاں کو نہیں دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے!
جواباً جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ ایک ہفتہ سے غیر حاضر ہیں تو مجھ پر بگڑ پڑے۔ کہنے لگے
کہ شاید تم نے کچھ کہہ دیا ہوگا۔ لیکن میں نے کہا کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں تو مجھ کو